وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّاۗلِّيْنَ ۹۲

لیکن اگر کوئی جھٹلانے والوں گمراہوں میں سے ہے۔[1] (۹۲)

فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ۹۳

تو کھولتے ہوئے گرم پانی کی مہمانی ہے۔(۹۳)

وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ۹۴

اور دوزخ میں جانا ہے۔(۹۴)

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ۹۵

یہ خبر سراسر حق اور قطعاً یقینی ہے۔(۹۵)

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ۹۶

پس تو اپنے عظیم الشان پروردگار کی تسبیح کر۔[2] (۹۶)

سُوْرَةُ الْحَدِيْدِ

سورۂ حدید مدنی ہے اور اس میں انتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۱

آسمانوں اور زمین میں جو ہے (سب) اللہ کی تسبیح کر رہے ہیں،[3] وہ زبردست باحکمت ہے۔(۱)

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۲

آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اسی کی ہے،[4] وہی زندگی دیتا ہے اور موت بھی اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔(۲)

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۳

وہی پہلے ہے اور وہی پیچھے، وہی ظاہر ہے اور وہی مخفی،[5] اور وہ ہر چیز کو بخوبی جاننے والا ہے۔(۳)

---

(۱) یہ تیسری قسم ہے جنہیں آغاز سورت میں اَصْحَابُ الْمَشْئَمَةِ کہا گیا تھا' بائیں ہاتھ والے یا حاملین نحوست۔ یہ اپنے کفرونفاق کی سزا یا اس کی نحوست عذاب جہنم کی صورت میں بھگتیں گے۔

(۲) حدیث میں آتا ہے کہ دو کلمے اللہ کو بہت محبوب ہیں' زبان پر ہلکے اور وزن میں بھاری۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ (صحیح بخاری "آخری حدیث" وصحیح مسلم کتاب الذکر' باب فضل التھلیل والتسبیح والدعاء)

(۳) یہ تسبیح زبان حال سے نہیں' بلکہ زبان مقال سے ہے اسی لیے فرمایا گیا ہے' ﴿ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ﴾ (بنی إسرائیل۔۴۴) "تم انکی تسبیح نہیں سمجھ سکتے"۔ حضرت داود علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے کہ انکے ساتھ پہاڑ بھی تسبیح کرتے تھے۔ (الأنبیاء' ۷۹) اگر یہ تسبیح حال یا تسبیح دلالت ہوتی تو حضرت داود علیہ السلام کے ساتھ اسکو خاص کرنے کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔

(۴) اس لیے وہ ان میں جس طرح چاہتا ہے تصرف فرماتا ہے' اس کے سوا ان میں کسی کا حکم اور تصرف نہیں چلتا۔ یا مطلب ہے کہ بارش' نباتات اور روزیوں کے سارے خزانے اسی کی ملک میں ہیں۔

(۵) وہی اول ہے یعنی اس سے پہلے کچھ نہ تھا' وہی آخر ہے' اس کے بعد کوئی چیز نہیں ہوگی' وہی ظاہر ہے یعنی وہ سب پر غالب ہے' اس پر کوئی غالب نہیں۔ وہی باطن ہے' یعنی باطن کی ساری باتوں کو صرف وہی جانتا ہے یا لوگوں کی نظروں

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا وَهُوَ مَعَکُمْ اَیْنَ مَا کُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۴﴾

وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا پھر عرش پر مستوی (۱) ہو گیا- وہ (خوب) جانتا ہے اس چیز کو جو زمین میں جائے (۲) اور جو اس سے نکلے (۳) اور جو آسمان سے نیچے آئے (۴) اور جو کچھ چڑھ کر اس میں جائے، (۵) اور جہاں کہیں تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے (۶) اور جو تم کر رہے

اور عقلوں سے مخفی ہے- (فتح القدیر) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو یہ دعا پڑھنے کی تاکید فرمائی تھی- «اللّٰھُمَّ! رَبَّ السَّمٰوَاتِ السَّبْعِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ، رَبَّنَا وَرَبَّ کُلِّ شَیْءٍ، مُنْزِلَ التَّوراةِ والإنجیلِ والفُرْقَانِ، فَالِقَ الحَبِّ والنَّوىٰ، أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ کُلِّ شيءٍ أَنْتَ آخِذٌ بِنَاصِیَتِهِ، اللّٰهُمَّ أَنْتَ الأَوَّلُ فلیسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الآخِرُ فَلَیسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَیْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ، وَأَنتَ الباطِنُ فَلَیسَ دُونَكَ شَيْءٌ، اقْضِ عَنَّا الدَّیْنَ وَأَغْنِنَا مِنَ الفَقْرِ» (صحیح مسلم' کتاب الذکر والدعاء باب مایقول عند النوم وأخذ المضجع) اس دعا میں' جو ادائیگی قرض کے لیے مسنون ہے' اول و آخر اور ظاہر و باطن کی تفسیر بیان فرمادی گئی ہے-

(۱) اسی مفہوم کی آیات سورۂ أعراف' ۵۴' سورۂ یونس' ۳' اور الم السجدۃ' ۴ وغیرہا من الآیات میں گزر چکی ہیں- ان کے حواشی ملاحظہ فرمالیے جائیں-

(۲) یعنی زمین میں بارش کے جو قطرے اور غلہ جات و میوہ جات کے جو بیج داخل ہوتے ہیں' انکی کمیت و کیفیت کو وہ جانتا ہے-

(۳) جو درخت' چاہے وہ پھلوں کے ہوں یا غلوں کے یا زینت و آرائش اور خوشبو والے پھولوں کے بوٹے ہوں' یہ جتنے بھی اور جیسے بھی باہر نکلتے ہیں' سب اللہ کے علم میں ہیں- جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ﴿ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ﴾ - (سورۃ الأنعام ۵۹) "اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں تمام مخفی اشیا کے خزانے' ان کو کوئی نہیں جانتا بجز اللہ کے' اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے جو کچھ خشکی میں اور جو کچھ دریاؤں میں ہیں- کوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے' اور کوئی دانہ کوئی زمین کے تاریک حصوں میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز گرتی ہے' مگر یہ سب کتاب مبین میں ہیں"-

(۴) بارش' اولے' برف' تقدیر اور وہ احکام' جو فرشتے لے کر اترتے ہیں-

(۵) فرشتے انسانوں کے جو عمل لے کر چڑھتے ہیں جس طرح حدیث میں آتا ہے کہ "اللہ کی طرف رات کے عمل دن سے پہلے اور دن کے عمل رات سے پہلے چڑھتے ہیں"- (صحیح مسلم' کتاب الإیمان' باب إن اللہ لاینام)

(۶) یعنی تم خشکی میں ہو یا تری میں' رات ہو یا دن' گھروں میں ہو یا صحراؤں میں' ہر جگہ ہر وقت وہ اپنے علم و بصر کے لحاظ سے تمہارے ساتھ ہے یعنی تمہارے ایک ایک عمل کو دیکھتا ہے' تمہاری ایک ایک بات کو جانتا اور سنتا ہے- یہی مضمون سورۂ ہود' ۳- سورۂ رعد' ۱۰ اور دیگر آیات میں بھی بیان کیا گیا ہے-

ہو اللہ دیکھ رہا ہے۔(۴)

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝

آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے۔ اور تمام کام اسی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔(۵)

يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۭ وَهُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

وہی رات کو دن میں لے جاتا ہے اور وہی دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے[1] اور سینوں کے بھیدوں کا وہ پورا عالم ہے۔(۶)

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝

اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ اور اس مال میں سے خرچ کرو جس میں اللہ نے تمہیں (دوسروں کا) جانشین بنایا[2] ہے پس تم میں سے جو ایمان لائیں اور خیرات کریں انہیں بہت بڑا ثواب ملے گا۔(۷)

وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

تم اللہ پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟ حالانکہ خود رسول تمہیں اپنے رب پر ایمان لانے کی دعوت دے رہا ہے اور اگر تم مومن ہو تو وہ تو تم سے مضبوط عہد و پیمان بھی لے چکا ہے۔[3] (۸)

هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰي عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ

وہ (اللہ) ہی ہے جو اپنے بندے پر واضح آیتیں اتارتا ہے

---

(۱) یعنی تمام چیزوں کا مالک وہی ہے' وہ جس طرح چاہتا ہے' ان میں تصرف فرماتا ہے' اس کے حکم و تصرف سے کبھی رات لمبی' دن چھوٹا اور کبھی اس کے برعکس دن لمبا اور رات چھوٹی ہو جاتی ہے اور کبھی دونوں برابر۔ اسی طرح کبھی سردی' کبھی گرمی' کبھی بہار اور کبھی خزاں۔ موسموں کا تغیر و تبدل بھی اسی کے حکم و مشیت سے ہوتا ہے۔

(۲) یعنی یہ مال اس سے پہلے کسی دوسرے کے پاس تھا۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تمہارے پاس بھی یہ مال نہیں رہے گا' دوسرے اسکے وارث بنیں گے' اگر تم نے اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کیا تو بعد میں اسکے وارث بننے والے اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرکے تم سے زیادہ سعادت حاصل کر سکتے ہیں اور اگر وہ اسے نافرمانی میں خرچ کریں گے تو تم بھی معاونت کے جرم میں ماخوذ ہو سکتے ہو۔ (ابن کثیر) حدیث میں آتا ہے کہ "انسان کہتا ہے 'میرا مال' 'میرا مال' حالانکہ تیرا مال' ایک تو وہ ہے جو تو نے کھا کے فنا کر دیا' دوسرا وہ ہے جسے پہن کر بوسیدہ کر دیا اور تیسرا وہ ہے جو اللہ کی راہ میں خرچ کر کے آخرت کے لیے ذخیرہ کر لیا۔ اسکے علاوہ جو کچھ ہے' وہ سب دوسرے لوگوں کے حصے میں آئے گا۔ (صحیح مسلم' کتاب الزهد ومسند أحمد' ۴/ ۲۴)

(۳) ابن کثیر نے اخذ کا فاعل الرسول کو بنایا ہے اور مراد وہ بیعت لی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لیتے تھے کہ خوشی اور ناخوشی ہر حالت میں سمع و طاعت کرنی ہے اور امام ابن جریر کے نزدیک اس کا فاعل اللہ ہے اور مراد وہ عہد ہے جو اللہ تعالٰی نے تمام انسانوں سے اس وقت لیا تھا جب انہیں آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالا تھا' جو عہد الست کہلاتا ہے' جس کا ذکر سورۃ الأعراف '۱۷۲ میں ہے۔

الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ ⁹

تاکہ وہ تمہیں اندھیروں سے نور کی طرف لے جائے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر نرمی کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔(۹)

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ ¹⁰

تمہیں کیا ہو گیا ہے جو تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے؟ دراصل آسمانوں اور زمینوں کی میراث کا مالک (تنہا) اللہ ہی ہے۔ تم میں سے جن لوگوں نے فتح سے پہلے فی سبیل اللہ دیا ہے اور قتال کیا ہے وہ (دوسروں کے) برابر نہیں،[۱] بلکہ ان سے بہت بڑے درجے کے ہیں جنہوں نے فتح کے بعد خیراتیں دیں اور جہاد کیے۔[۲] ہاں بھلائی کا وعدہ تو اللہ تعالیٰ کا ان سب سے ہے[۳] جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے اللہ خبردار ہے۔(۱۰)

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۝ ¹¹

کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھی طرح قرض دے پھر اللہ تعالیٰ اسے اس کے لیے بڑھاتا چلا جائے اور اس کے لیے

---

(۱) فتح سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک فتح مکہ ہے۔ بعض نے صلح حدیبیہ کو فتح مبین کا مصداق سمجھ کر اسے مراد لیا ہے۔ بہر حال صلح حدیبیہ یا فتح مکہ سے قبل مسلمان تعداد اور قوت کے لحاظ سے بھی کم تر تھے اور مسلمانوں کی مالی حالت بھی بہت کمزور تھی۔ ان حالات میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اور جہاد میں حصہ لینا' دونوں کام نہایت مشکل اور بڑے دل گردے کا کام تھا' جب کہ فتح مکہ کے بعد یہ صورت حال بدل گئی۔ مسلمان قوت و تعداد میں بھی بڑھتے چلے گئے اور ان کی مالی حالت بھی پہلے سے کہیں زیادہ بہتر ہو گئی۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے دونوں ادوار کے مسلمانوں کی بابت فرمایا کہ یہ اجر میں برابر نہیں ہو سکتے۔

(۲) کیونکہ پہلوں کا انفاق اور جہاد' دونوں کام نہایت کٹھن حالات میں ہوئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل فضل و عزم کو دیگر لوگوں کے مقابلے میں مقدم رکھنا چاہیے۔ اسی لیے اہل سنت کے نزدیک شرف و فضل میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے مقدم ہیں' کیوں کہ مومن اول بھی وہی ہیں اور منفق اول اور مجاہد اول بھی وہی۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنی زندگی اور موجودگی میں نماز کے لیے آگے کیا' اور اسی بنیاد پر مومنوں (صحابہ کرام) نے انہیں استحقاق خلافت میں مقدم رکھا۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ.

(۳) اس میں وضاحت فرمادی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان شرف و فضل میں تفاوت تو ضرور ہے لیکن تفاوت درجات کا مطلب یہ نہیں کہ بعد میں مسلمان ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایمان و اخلاق کے اعتبار سے بالکل ہی گئے گزرے تھے' جیسا کہ بعض حضرات' حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ' ان کے والد حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ اور دیگر بعض ایسے ہی جلیل القدر صحابہ کے بارے میں ہرزہ سرائی یا انہیں طلقاء کہہ کر ان کی تنقیص و اہانت کرتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۲﴾

يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴿۱۳﴾

پسندیدہ اجر ثابت ہو جائے[1] (۱۱)

(قیامت کے) دن تو دیکھے گا کہ مومن مردوں اور عورتوں کا نور انکے آگے آگے اور انکے دائیں دوڑ رہا ہو گا[2] آج تمہیں ان جنتوں کی خوشخبری ہے جنکے نیچے نہریں جاری ہیں جن میں ہمیشہ کی رہائش ہے۔ یہ ہے بڑی کامیابی۔[3] (۱۲)

اس دن منافق مرد و عورت ایمان والوں سے کہیں گے کہ ہمارا انتظار تو کرو کہ ہم بھی تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کر لیں۔[4] جواب دیا جائے گا کہ تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ[5] اور روشنی تلاش کرو۔ پھر ان کے اور ان کے درمیان[6] ایک دیوار حائل کر دی جائے گی جس میں دروازہ بھی ہو گا۔ اس کے اندرونی حصہ میں تو

فرمایا ہے کہ لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِيْ "میرے صحابہ پر سب و شتم نہ کرو، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ جتنا سونا بھی اللہ کی راہ میں خرچ کر دے تو وہ میرے صحابی کے خرچ کیے ہوئے ایک مد بلکہ نصف مد کے بھی برابر نہیں"۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة)

(۱) اللہ کو قرض حسن دینے کا مطلب ہے، اللہ کی راہ میں صدقہ و خیرات کرنا۔ یہ مال، جو انسان اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے، اللہ ہی کا دیا ہوا ہے، اس کے باوجود اسے قرض قرار دینا یہ اللہ کا فضل و احسان ہے کہ وہ اس انفاق پر اسی طرح اجر دے گا جس طرح قرض کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے۔

(۲) یہ عرصہ محشر میں پل صراط میں ہو گا، یہ نور ان کے ایمان اور عمل صالح کا صلہ ہو گا، جس کی روشنی میں وہ جنت کا راستہ آسانی سے طے کر لیں گے۔ امام ابن کثیر اور امام ابن جریر وغیرہما نے وَبِأَيْمَانِهِمْ کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ ان کے دائیں ہاتھوں میں ان کے اعمال نامے ہوں گے۔

(۳) یہ وہ فرشتے کہیں گے جو ان کے استقبال اور پیشوائی کے لیے وہاں ہوں گے۔

(۴) یہ منافقین کچھ فاصلے تک اہل ایمان کے ساتھ ان کی روشنی میں چلیں گے، پھر اللہ تعالیٰ منافقین پر اندھیرا مسلط فرماوے گا، اس وقت وہ اہل ایمان سے یہ کہیں گے۔

(۵) اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں جا کر اسی طرح ایمان اور عمل صالح کی پونجی لے کر آؤ، جس طرح ہم لائے ہیں۔ یا استہزا کے طور پر اہل ایمان کہیں گے کہ پیچھے جہاں سے ہم یہ نور لائے تھے وہیں جا کر اسے تلاش کرو۔

(۶) یعنی مومنین اور منافقین کے درمیان۔

رحمت [۱] ہو گی اور باہر کی طرف عذاب ہو گا۔ [۲] (۱۳)

يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَاۗءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿١٤﴾

یہ چلا چلا کر ان سے کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے [۳] وہ کہیں گے کہ ہاں تھے تو سہی لیکن تم نے اپنے آپکو فتنہ میں پھنسا رکھا [۴] تھا اور انتظار میں ہی رہے [۵] اور شک و شبہ کرتے رہے [۶] اور تمہیں تمہاری فضول تمناؤں نے دھوکے میں ہی رکھا [۷] یہاں تک کہ اللہ کا حکم آپہنچا [۸] اور تمہیں اللہ کے بارے میں دھوکہ دینے والے نے دھوکے میں ہی رکھا۔ [۹] (۱۴)

فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ۭ هِىَ مَوْلٰىكُمْ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿١٥﴾

الغرض' آج تم سے نہ فدیہ (اور نہ بدلہ) قبول کیا جائے گا اور نہ کافروں سے تم (سب) کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ وہی تمہاری رفیق ہے [۱۰] اور وہ برا ٹھکانا ہے۔ (۱۵)

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ

کیا اب تک ایمان والوں کے لیے وقت نہیں آیا کہ انکے دل ذکر الٰہی سے اور جو حق اتر چکا ہے اس سے نرم ہو

---

(۱) اس سے مراد جنت ہے جس میں اہل ایمان داخل ہو چکے ہوں گے۔

(۲) یہ وہ حصہ ہے جس میں جہنم ہو گی۔

(۳) یعنی دیوار حائل ہونے پر منافقین مسلمانوں سے کہیں گے کہ دنیا میں ہم تمہارے ساتھ نمازیں نہیں پڑھتے تھے' اور جہاد وغیرہ میں حصہ نہیں لیتے تھے؟

(۴) کہ تم نے اپنے دلوں میں کفر اور نفاق چھپا رکھا تھا۔

(۵) کہ شاید مسلمان کسی گردش کا شکار ہو جائیں۔

(۶) دین کے معاملے میں' اسی لیے قرآن کو مانا نہ دلائل و معجزات کو۔

(۷) جس میں تمہیں شیطان نے مبتلا کیے رکھا۔

(۸) یعنی تمہیں موت آگئی' یا مسلمان بالآخر غالب رہے اور تمہاری آرزوؤں پر پانی پھر گیا۔

(۹) یعنی اللہ کے حلم اور اس کے قانون امہال (مہلت دینے) کی وجہ سے تمہیں شیطان نے دھوکے میں ڈالے رکھا۔

(۱۰) مولیٰ اسے کہتے ہیں جو کسی کے کاموں کا متولی یعنی ذمے دار بنے۔ گویا اب جہنم ہی اس بات کی ذمے دار ہے کہ انہیں سخت سے سخت تر عذاب کا مزا چکھائے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہمیشہ ساتھ رہنے والے کو بھی مولیٰ کہہ لیتے ہیں' یعنی اب جہنم کی آگ ہی ان کی ہمیشہ کی ساتھی اور رفیق ہو گی۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جہنم کو بھی عقل و شعور عطا فرمائے گا پس وہ کافروں کے خلاف غیظ و غضب کا اظہار کرے گی۔ یعنی ان کی والی بنے گی اور انہیں عذاب الیم سے دوچار کرے گی۔

عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ ۖ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴿۱۶﴾

جائیں [۱] اور انکی طرح نہ ہو جائیں جنہیں ان سے پہلے کتاب دی گئی تھی [۲] پھر جب ان پر ایک زمانہ دراز گزر گیا تو انکے دل سخت ہو گئے [۳] اور ان میں بہت سے فاسق ہیں۔ [۴] (۱۶)

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷﴾

یقین مانو کہ اللہ ہی زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیتا ہے۔ ہم نے تو تمہارے لیے اپنی آیتیں بیان کر دیں تاکہ تم سمجھو۔ (۱۷)

اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۸﴾

بیشک صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور جو اللہ کو خلوص کے ساتھ قرض دے رہے ہیں۔ انکے لیے یہ بڑھایا جائے گا [۵] اور ان کے لیے پسندیدہ اجر و ثواب ہے۔ [۶] (۱۸)

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ڰ وَالشُّهَدَاۗءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اللہ اور اس کے رسول پر جو ایمان رکھتے ہیں وہی لوگ اپنے رب کے نزدیک صدیق [۷] اور شہید ہیں ان کے

---

(۱) خطاب اہل ایمان کو ہے۔ اور مطلب ان کو اللہ کی یاد کی طرف مزید متوجہ اور قرآن کریم سے کسب ہدایت کی تلقین کرنا ہے۔ خشوع کے معنی ہیں' دلوں کا نرم ہو کر اللہ کی طرف جھک جانا' حق سے مراد قرآن کریم ہے۔

(۲) جیسے یہود و نصاریٰ ہیں۔ یعنی تم ان کی طرح نہ ہو جانا۔

(۳) چنانچہ انہوں نے اللہ کی کتاب میں تحریف اور تبدیلی کر دی' اس کے عوض دنیا کا ثمن قلیل حاصل کرنے کو انہوں نے شعار بنا لیا' اس کے احکام کو پس پشت ڈال دیا' اللہ کے دین میں لوگوں کی تقلید اختیار کر لی اور ان کو اپنا رب بنا لیا' مسلمانوں کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ تم یہ کام مت کرو ورنہ تمہارے دل بھی سخت ہو جائیں گے اور پھر یہی کام جو ان پر لعنت الٰہی کا سبب بنے' تمہیں اچھے لگیں گے۔

(۴) یعنی ان کے دل فاسد اور اعمال باطل ہیں۔ دوسرے مقام پر اللہ نے فرمایا ﴿ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ ﴾ (المائدۃ-۱۳)

(۵) یعنی ایک کے بدلے میں کم از کم دس گنا اور اس سے زیادہ سات سو گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ تک۔ یہ زیادتی اخلاص نیت' حاجت و ضرورت اور مکان و زمان کی بنیاد پر ہو سکتی ہے۔ جیسے پہلے گزرا کہ جن لوگوں نے فتح مکہ سے قبل خرچ کیا' وہ اجر و ثواب میں ان سے زیادہ ہوں گے' جنہوں نے اس کے بعد خرچ کیا۔

(۶) یعنی جنت اور اسکی نعمتیں' جنکو کبھی زوال اور فنا نہیں۔ آیت میں مُصَّدِّقِیْنَ اصل میں مُتَصَدِّقِیْنَ ہے۔ تا کو صاد میں مدغم کر دیا گیا۔

(۷) بعض مفسرین نے یہاں وقف کیا ہے۔ اور آگے وَالشُّهَدَاۗءُ کو الگ جملہ قرار دیا ہے صدیقیت کمال ایمان اور کمال صدق و

وَكَذَّبُوا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۹﴾

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطٰمًا ۭ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۲۰﴾

لیے ان کا اجر اور ان کا نور ہے' اور جو لوگ کفر کرتے ہیں اور ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں وہ جہنمی ہیں-(۱۹)

خوب جان رکھو کہ دنیا کی زندگی صرف کھیل تماشا زینت اور آپس میں فخر (وغرور) اور مال و اولاد میں ایک کا دوسرے سے اپنے آپ کو زیادہ بتلانا ہے' جیسے بارش اور اس کی پیداوار کسانوں [۱] کو اچھی معلوم ہوتی ہے پھر جب وہ خشک ہو جاتی ہے تو زرد رنگ میں اس کو تم دیکھتے ہو پھر وہ بالکل چورا چورا ہو جاتی ہے [۲] اور آخرت میں سخت عذاب [۳] اور اللہ کی مغفرت اور رضامندی ہے [۴] اور دنیا کی زندگی بجز دھوکے کے سامان کے اور

صفا کا نام ہے- حدیث میں آتا ہے کہ "آدمی ہمیشہ سچ بولتا ہے اور سچ ہی کی تلاش اور کوشش میں رہتا ہے- حتیٰ کہ اللہ کے ہاں اسے صدیق لکھ دیا جاتا ہے (متفق علیہ- مشکوٰۃ' کتاب الآداب' باب حفظ اللسان) ایک اور حدیث میں صدیقین کا وہ مقام بیان کیا گیا ہے جو جنت میں انہیں حاصل ہو گا- فرمایا "جنتی' اپنے سے اوپر کے بالا خانے والوں کو اس طرح دیکھیں گے' جیسے چمکتے ہوئے مشرقی یا مغربی ستارے کو تم آسمان کے کنارے پر دیکھتے ہو' یعنی انکے درمیان درجات کا اتنا فرق ہو گا- صحابہ نے پوچھا' یہ انبیا کے درجات ہوں گے جن کو دوسرے حاصل نہیں کر سکیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں' قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ پر ایمان لائے اور پیغمبروں کی تصدیق کی- (صحیح بخاری' کتاب بدء الخلق' باب ما جاء فی صفة الجنة وأنها مخلوقة) یعنی ایمان اور تصدیق کا حق ادا کیا- (فتح الباری)

(۱) کُفَّارٌ' کسانوں کو کہا گیا ہے' اس لیے کہ اس کے لغوی معنی ہیں چھپانے والے- کافروں کے دلوں میں اللہ کا اور آخرت کا انکار چھپا ہوتا ہے' اس لیے انہیں کافر کہا جاتا ہے- اور کاشت کاروں کے لیے یہ لفظ اس لیے بولا گیا ہے کہ وہ بھی زمین میں بیج بوتے یعنی انہیں چھپا دیتے ہیں-

(۲) یہاں دنیا کی زندگی کو سرعت زوال میں کھیتی سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح کھیتی جب شاداب ہوتی ہے تو بڑی بھلی لگتی ہے' کاشت کار اسے دیکھ کر بڑے خوش ہوتے ہیں- لیکن وہ بہت ہی جلد خشک اور زرد رو ہو کر چورا چورا ہو جاتی ہے- اسی طرح دنیا کی زیب و زینت' مال اور اولاد اور دیگر چیزیں انسان کا دل لبھاتی ہیں- لیکن یہ زندگی چند روزہ ہی ہے' اس کو بھی ثبات و قرار نہیں-

(۳) یعنی اہل کفر و عصیان کے لیے' جو دنیا کے کھیل کود میں ہی مصروف رہے اور اسی کو انہوں نے حاصل زندگی سمجھا-

(۴) یعنی اہل ایمان و طاعت کے لیے' جنہوں نے دنیا کو ہی سب کچھ نہیں سمجھا' بلکہ اسے عارضی' فانی اور دار الامتحان

کچھ بھی تو نہیں۔[1] (۲۰)

سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿٢١﴾

(آؤ) دوڑو اپنے رب کی مغفرت کی طرف[2] اور اس جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان و زمین کی وسعت کے برابر ہے[3] یہ ان کے لیے بنائی گئی ہے جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے[4] اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔[5] (۲۱)

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿٢٢﴾

نہ کوئی مصیبت دنیا میں آتی ہے[6] نہ (خاص) تمہاری جانوں میں،[7] مگر اس سے پہلے کہ ہم اس کو پیدا کریں وہ ایک خاص کتاب میں لکھی ہوئی ہے،[8] یہ (کام) اللہ تعالیٰ پر (بالکل) آسان ہے۔ (۲۲)

لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ

تاکہ تم اپنے سے فوت شدہ کسی چیز پر رنجیدہ نہ ہو جایا کرو

سمجھتے ہوئے اللہ کی ہدایات کے مطابق اس میں زندگی گزاری۔

(۱) لیکن اس کے لیے جو اس کے دھوکے میں مبتلا رہا اور آخرت کے لیے کچھ نہیں کیا۔ لیکن جس نے اس حیات دنیا کو طلب آخرت کے لیے استعمال کیا تو اس کے لیے یہی دنیا، اس سے بہتر زندگی حاصل کرنے کا ذریعہ ثابت ہو گی۔

(۲) یعنی اعمال صالحہ اور توبۃ النصوح کی طرف کیونکہ یہی چیزیں مغفرت رب کا ذریعہ ہیں۔

(۳) اور جس کا عرض اتنا ہو، اس کا طول کتنا ہو گا؟ کیونکہ طول، عرض سے زیادہ ہی ہوتا ہے۔

(۴) ظاہر ہے اس کی چاہت اسی کے لیے ہوتی ہے جو کفر و معصیت سے توبہ کر کے ایمان و عمل صالح کی زندگی اختیار کر لیتا ہے، اسی لیے وہ ایسے لوگوں کو ایمان اور اعمال صالحہ کی توفیق سے بھی نواز دیتا ہے۔

(۵) وہ جس پر چاہتا ہے، اپنا فضل فرماتا ہے، جس کو وہ کچھ دے، کوئی روک نہیں سکتا اور جس سے روک لے، اسے کوئی دے نہیں سکتا، تمام خیر اسی کے ہاتھ میں ہے، وہی کریم مطلق اور جواد حقیقی ہے جس کے ہاں بخل کا تصور نہیں۔

(۶) مثلاً قحط، سیلاب اور دیگر آفات ارضی و سماوی۔

(۷) مثلاً بیماریاں، تعب و تکان اور تنگ دستی وغیرہ۔

(۸) یعنی اللہ نے اپنے علم کے مطابق تمام مخلوقات کی پیدائش سے پہلے ہی سب باتیں لکھ دی ہیں۔ جیسے حدیث میں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قَدَّرَ اللهُ الْمَقَادِيرَ قَبْلَ أَنْ يَّخْلُقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ بِخَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ (صحیح مسلم، کتاب القدر، باب حجاج آدم وموسی علیہما السلام) ”اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال قبل ہی ساری تقدیریں لکھ دی تھیں“۔

مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴿۲۳﴾

اور نہ عطا کردہ چیز پر اترا جاؤ،[1] اور اترانے والے شیخی خوروں کو اللہ پسند نہیں فرماتا۔ (۲۳)

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۴﴾

جو (خود بھی) بخل کریں اور دوسروں کو (بھی) بخل کی تعلیم دیں۔ سنو! جو بھی منہ پھیرے[2] اللہ بے نیاز اور سزاوار حمد و ثنا ہے۔ (۲۴)

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۵﴾

یقیناً ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی دلیلیں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان (ترازو) نازل فرمایا[3] تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں۔ اور ہم نے لوہے کو اتارا[4] جس میں سخت ہیبت و قوت ہے[5] اور لوگوں کے لیے اور بھی (بہت سے) فائدے ہیں[6] اور اس لیے بھی کہ اللہ جان لے کہ اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد بے دیکھے کون کرتا

---

(۱) یہاں جس حزن اور فرح سے روکا گیا ہے' وہ وہ غم اور خوشی ہے جو انسان کو ناجائز کاموں تک پہنچا دیتی ہے' ورنہ تکلیف پر رنجیدہ اور راحت پر خوش ہونا' یہ ایک فطری عمل ہے۔ لیکن مومن تکلیف پر صبر کرتا ہے کہ اللہ کی مشیت اور تقدیر ہے۔ جزع فزع کرنے سے اس میں تبدیلی نہیں آسکتی۔ اور راحت پر' اتراتا نہیں ہے' اللہ کا شکر ادا کرتا ہے۔ کہ یہ صرف اس کی اپنی سعی کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اللہ کا فضل و کرم اور اس کا احسان ہے۔

(۲) یعنی انفاق فی سبیل اللہ سے' کیونکہ اصل بخل یہی ہے۔

(۳) میزان سے مراد انصاف ہے اور مطلب ہے کہ ہم نے لوگوں کو انصاف کرنے کا حکم دیا ہے۔ بعض نے اس کا ترجمہ ترازو کیا ہے' ترازو کے اتارنے کا مطلب ہے' ہم نے ترازو کی طرف لوگوں کی رہنمائی کی کہ اس کے ذریعے سے لوگوں کو تول کر پورا پورا حق دو۔

(۴) یہاں بھی اتارا' پیدا کرنے اور اس کی صنعت سکھانے کے معنی میں ہے۔ لوہے سے بے شمار چیزیں بنتی ہیں' یہ سب اللہ کے اس الہام و ارشاد کا نتیجہ ہے جو اس نے انسان کو کیا ہے۔

(۵) یعنی لوہے سے جنگی ہتھیار بنتے ہیں۔ جیسے تلوار' نیزہ' بندوق اور اب ایٹم' توپیں' جنگی جہاز' آبدوزیں' گنیں' راکٹ اور ٹینک وغیرہ بیشمار چیزیں۔ جن سے دشمن پر وار بھی کیا جاتا ہے اور اپنا دفاع بھی۔

(۶) یعنی جنگی ہتھیاروں کے علاوہ لوہے سے اور بھی بہت سی چیزیں بنتی ہیں' جو گھروں میں اور مختلف صنعتوں میں کام میں آتی ہیں' جیسے چھریاں' چاقو' قینچی' ہتھوڑا' سوئی' زراعت' نجارت' (بڑھئی) اور عمارت وغیرہ کا سامان اور چھوٹی بڑی بے شمار مشینیں اور سازو سامان۔

ہے،(1) بیشک اللہ قوت والا اور زبردست ہے۔(2) (۲۵)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٢٦﴾

بیشک ہم نے نوح اور ابراہیم (علیہما السلام) کو (پیغمبر بنا کر) بھیجا اور ہم نے ان دونوں کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب جاری رکھی تو ان میں سے کچھ تو راہ یافتہ ہوئے اور ان میں سے اکثر بہت نافرمان رہے۔(۲۶)

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ۭ وَرَهْبَانِيَّةَۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ

ان کے بعد پھر بھی ہم اپنے رسولوں کو پے در پے بھیجتے رہے اور ان کے بعد عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کو بھیجا اور انہیں انجیل عطا فرمائی اور ان کے ماننے والوں کے دلوں میں شفقت اور رحم پیدا کر دیا(3) ہاں رہبانیت (ترک دنیا) تو ان لوگوں نے از خود ایجاد کر لی تھی(4) ہم نے ان پر اسے واجب

(1) یہ لِيَقُوْمَ پر عطف ہے۔ یعنی رسولوں کو اس لیے بھی بھیجا ہے تاکہ وہ جان لے کہ کون اس کے رسولوں پر اللہ کو دیکھے بغیر، ایمان لاتا اور ان کی مدد کرتا ہے۔

(2) اس کو اس بات کی حاجت نہیں ہے کہ لوگ اس کے دین کی اور اس کے رسولوں کی مدد کریں، بلکہ وہ چاہے تو اس کے بغیر ہی ان کو غالب فرما دے۔ لوگوں کو تو ان کی مدد کرنے کا حکم ان کی اپنی ہی بھلائی کے لیے دیا گیا ہے، تاکہ اس طرح وہ اپنے اللہ کو راضی کر کے اس کی مغفرت و رحمت کے مستحق بن جائیں۔

(3) رَأْفَةً، کے معنی نرمی اور رحمت کے معنی شفقت کے ہیں۔ پیروکاروں سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری ہیں۔ یعنی ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے پیار اور محبت کے جذبات پیدا کر دیئے۔ جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک دوسرے کے لیے رحیم و شفیق تھے۔ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ۔ یہود، آپس میں اس طرح ایک دوسرے کے ہمدرد اور غم خوار نہیں، جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار تھے۔

(4) رَهْبَانِيَّةً رَهْبٌ (خوف) سے ہے یا رُهْبَانٌ (درویش) کی طرف منسوب ہے اس صورت میں رے پر پیش رہے گا، یا اسے رہبنہ کی طرف منسوب مانا جائے تو اس صورت میں رے پر زبر ہو گا۔) رہبانیت کا مفہوم ترک دنیا ہے یعنی دنیا اور علائق دنیا سے منقطع ہو کر کسی جنگل، صحرا میں جا کر اللہ کی عبادت کرنا۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ایسے بادشاہ ہوئے جنہوں نے تورات اور انجیل میں تبدیلی کر دی، جسے ایک جماعت نے قبول نہیں کیا۔ انہوں نے بادشاہوں کے ڈر سے پہاڑوں اور غاروں میں پناہ حاصل کر لی۔ یہ اس کا آغاز تھا، جسکی بنیاد اضطرار پر تھی۔ لیکن انکے بعد آنے والے بہت سے لوگوں نے اپنے بزرگوں کی اندھی تقلید میں اس شہر بدری کو عبادت کا ایک طریقہ بنا لیا اور اپنے آپ کو گرجاؤں اور معبدوں میں محبوس کر لیا اور اسکے لیے علائق دنیا سے انقطاع کو ضروری قرار دے لیا۔ اسی کو اللہ نے ابتداع (خود گھڑنے) سے تعبیر فرمایا ہے۔

أَجْرَهُمْ ۖ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴿٢٧﴾

نہ کیا[1] تھا سوائے اللہ کی رضاجوئی کے۔[2] سوانہوں نے اس کی پوری رعایت نہ کی[3]، پھر بھی ہم نے ان میں سے جو ایمان لائے تھے انہیں ان کا اجر دیا[4] اور ان میں زیادہ تر لوگ نافرمان ہیں۔(۲۷)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِن رَّحْمَتِهِ وَيَجْعَل لَّكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٨﴾

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اللہ تمہیں اپنی رحمت کا دوہرا حصہ دے گا[5] اور تمہیں نور دے گا جس کی روشنی میں تم چلو پھرو گے اور تمہارے گناہ بھی معاف فرما دے گا، اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔(۲۸)

لِّئَلَّا يَعْلَمَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَلَّا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِّن فَضْلِ اللَّهِ ۙ وَأَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿٢٩﴾

یہ اس لیے کہ اہل کتاب[6] جان لیں کہ اللہ کے فضل کے کسی حصے پر بھی انہیں اختیار نہیں اور یہ کہ (سارا) فضل اللہ ہی کے ہاتھ ہے وہ جسے چاہے دے، اور اللہ ہے ہی بڑے فضل والا۔(۲۹)

---

(۱) یہ پچھلی بات ہی کی تاکید ہے کہ یہ رہبانیت ان کی اپنی ایجاد تھی، اللہ نے اس کا حکم نہیں دیا تھا۔

(۲) یعنی ہم نے تو ان پر صرف اپنی رضاجوئی فرض کی تھی۔ دوسرا ترجمہ اس کا ہے کہ انہوں نے یہ کام اللہ کی رضا تلاش کرنے کے لیے کیا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرما دی کہ اللہ کی رضا، دین میں اپنی طرف سے بدعات ایجاد کرنے سے حاصل نہیں ہو سکتی، چاہے وہ کتنی ہی خوش نما ہو۔ اللہ کی رضا تو اس کی اطاعت سے ہی حاصل ہو گی۔

(۳) یعنی گو انہوں نے مقصد اللہ کی رضاجوئی بتلایا، لیکن اس کی انہوں نے پوری رعایت نہیں کی، ورنہ وہ ابتداع (بدعت ایجاد کرنے) کے بجائے اتباع کا راستہ اختیار کرتے۔

(۴) یہ وہ لوگ ہیں جو دین عیسیٰ پر قائم رہے تھے۔

(۵) یہ دگنا اجر ان اہل ایمان کو ملے گا جو نبی ﷺ سے قبل پہلے کسی رسول پر ایمان رکھتے تھے پھر نبی ﷺ پر بھی ایمان لے آئے جیسا کہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔(صحیح البخاری، کتاب العلم، باب تعلیم الرجل أمته وأهله وصحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب وجوب الإیمان برسالة نبینا) ایک دوسری تفسیر کے مطابق جب اہل کتاب نے اس بات پر فخر کا اظہار کیا کہ انہیں دوگنا اجر ملے گا، تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے حق میں یہ آیت نازل فرمائی۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے، تفسیر ابن کثیر)

(۶) لِئَلَّا میں لا زائد ہے اور معنی ہیں لِيَعْلَمَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَنَّهُمْ لَا يَقْدِرُونَ عَلَى أَنْ يَنَالُوا شَيْئًا مِنْ فَضْلِ اللهِ (فتح القدیر)